INDIAN STREAMS RESEARCH JOURNAL
ISSN NO : 2230-7850
IMPACT FACTOR : 5.1651 (UIF)
VOLUME - 14 | ISSUE - 2 | MARCH – 2024

جدید اُردو ناولوں کی اہمیت وافادیت ۔

اظہر احمد غلام یزدانی
اسٹنٹ پروفیسر شعبہَ اُردو یشونت مہاودیالیہ ناندیڑ۔

انسان ہر دور میں اپنی ضروریات کے تحت اپنے راستے تلاش کرتا ہے ۔ یہ بات زندگی کے ہر شعبے پر صادق آتی ہے ۔قدیم مذاہب جو اپنے کٹر پن کی وجہ سے عام لوگوں کے لیے جب تکلیف دہ بن جاتے ہیں تو نئے مذاہب وجود میں آتے ہیں۔اسی طرح ضروریات جب آسائش میں کمی محسوس کرتی ہے تو سائنس ایجادات کے نئے دروازے کھولتی ہے ۔اسی طرح ادب بھی وقت کے ساتھ ساتھ تغیر اور تبدیلی کی راہ اپناتا ہے ۔ ادب کا ایک کام اپنے قارئین کی فلاح و بہبود کے ساتھ ہی ساتھ تفریح طبع کے نئے راستے تلاش کرنا ہے ۔چنانچہ جس زمانے میں فلم و ٹیلی ویژن نہیں تھے تو اسٹیج ڈرامے کا رواج عام ہوا۔ڈرامے ہمارے ملک میں ہرش وردھن جیسے راجہ اور کالیداس جیسے مہا پرش نے لکھے اور صرف لکھے ہی نہیں بلکہ انہیں سٹیج بھی کیا۔اسٹیج کی بات کریں تو ماضی کی تاریخ کے اسٹیج اور آج کے اسٹیج میں بہت فرق ہے ۔

ڈراموں کی دنیا محدود ہوتی ہے ۔جبکہ دلچسپی کے لیے آج بھی بہت ساری چیزیں ضروری ہوتی ہیں۔ چنانچہ اس دور میں داستان گو پیدا ہوئے جو طویل داستانوں کو سناتے تھے ۔ان داستانوں کو مضمناتی Episodic Style میں سنایا جاتا تھا۔جو کئی کئی دنوں تک سنائی جاتی تھی اور ان داستانوں کو سنانے کے لیے کسی میدان میں بڑا سا شامیانہ لگایا جاتا۔داستان گو کسی اونچی جگہ پر بیٹھ کر وہ داستان جملوں اور مکالموں کی نسبت سے اتار چڑھاؤ کے ساتھ سناتا تھا اور سننے والے اس داستان کا لطف اٹھاتے تھے ۔یہ داستانیں بادشاہوں،شہزادوں،شہزادیوں،وزیرزادوں اور وزیر زادیوں کے حسن وعشق اور معرکہ آرائی کی داستانوں پر مشتمل ہوتی تھی ۔جن میں جن،پری،دیو وغیرہ مافوق الفطرت کردار بھی ہوتے تھے ۔ان میں مہم جوئی،شجاعت،جادو،سحر،ہجر ووصال،تڑپ،جنگ وجدل،مرشد اور سادھو بھی ہوتے تھے ۔اس طرح داستانوں میں تجسس پیدا کیا جاتا۔کردار سازی اور اعلی کردار کے نمونے بھی ہوتے ۔جعل سازی،دھوکہ دہی،فریب اور دشمنی کے جال بھی ہوتے اور آخر میں ان سب پر فتح پاتا ہوا شہزادہ دو تین شادیاں کرتا اور ساتھ میں دلہن شہزادیوں کے ساتھ پریوں کو بھی بیاہ کر لاتا اور بوڑھے ماں باپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچاتا تھا۔

ان داستانوں کی بھی ایک اہمیت اور افادیت تھی ۔ان کے ذریعے حکمت،مقابلہ آرائی،حوصلے اور یقین بالذات کا ایک درس ملتا تھا۔

۱۸۵۷ء کے بعد جب مغرب میں لکھا جانے والا ناول سامنے آیا تو معلوم ہوا کہ مغرب نے داستانوں اور مافوق الفطرت کرداروں کو چھوڑ کر عام انسانوں کو اپنے ناولوں کا کردار بنانا شروع کیا اور یہ ناول بہت زیادہ مقبول ہو رہے ہیں ۔چنانچہ ان ناولوں کی گونج ہندوستان میں بھی شروع ہوئی اور ناول لکھنے کے لیے یا اس کی اہمیت وافادیت کو سمجھتے ہوئے کچھ ذہن سامنے آئے ۔ان میں سب سے پہلے ڈپٹی نذیر احمد نے اپنا پہلا ناول ”مراۃ العروس“ لکھا۔اس ناول کو انھوں نے ہندوستانی خواتین کے لیے اصلاح کا ذریعہ بنایا۔یہ اس قدر مقبول ہوا کہ ناول ”امراو جان ادا“ کی اشاعت کے بعد بھی تقریبا ۶۰ ربرس تک ناول خواتین کی اصلاح ہی کے لیے لکھے جانے لگے ۔

ناول ”امراو جان ادا“ کی اشاعت کے ساتھ ہی ناول کا فارمیٹ کیا ہونا چاہیے یہ بات سمجھ میں آ گئی تھی ۔لیکن پھر اس ڈگر پر چلنا اتنا آسان

نہیں تھا۔

بعد کے زمانے میں پریم چند نے ناول کے ذریعے دیگر موضوعات کو بھی اپنے ناولوں میں برتا۔ ان کے ناولوں میں مندروں میں عورتوں کا کس طرح استحصال ہوتا ہے یا ہندوستانی سماج میں بیوہ کی زندگی کیا ہوتی ہے۔ اسے محسوس کرتے ہوئے نہ صرف ناول لکھیں بلکہ ایک بیوہ خاتون سے شادی کر کے بیوہ کی زندگی کو دوبارہ آباد کرنے کی مثال بھی قائم کی۔ اور اپنی آخری ناول "گئودان" کے ذریعے ذات پات کے فرق، زمینداروں کے ظلم اور محنت کش اور کسان طبقے کی زندگی اور مذہبی استحصال کو بھی موضوع بنایا۔

ان کے بعد کرشن چندر نے ذات پات کے فرق اور سیاست داں معاشرتی زندگی کا کس طرح استحصال کرتے ہیں۔ یہ بتانے کی کوشش کی اور اردو ناول کے لیے ہمہ قسم کے موضوعات کے در کھول دیے۔ اور اب ناول نے ایک نئی افادیت کا روپ دھارن کرلیا۔ اب وہ ایک غیر محسوس تاریخ کی شکل اختیار کر گیا تھا۔ اور روزمرہ کے حالات، زمانے کے اتار چڑھاؤ، رہن سہن، معاشرت، سیاسی حالات، ثقافتی اور تہذیبی خوبیاں اور خامیاں ناول کا حصہ بننے لگے۔

وہ تاریخ جو محلوں میں واقعہ نویس صرف بادشاہوں کے احوال لکھتا تھا۔ اس میں سوائے بادشاہ اور اس کے احوال کے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ اس میں عوام کے رہن سہن، لباس فراش اور عام زندگی کا احوال عنقاء ہوتا ہے۔ یہ ادب اور ادب میں خصوصاً ناول میں ان ساری چیزوں کی تفصیل دکھائی دیتی ہے۔ اس بارے میں ممتاز فکشن نگار نے کیا خوب بات کہی ہے؛

> "کسی بھی ملک میں لکھا جانے والا افسانہ رناول محض قصہ یا کہانی نہیں ہوتا۔ بلکہ غیر محسوس طریقے پر لکھے جانے والی وہ تاریخ ہوتی ہے جو صرف حکمرانوں کے نام قصیدوں کی صورت نہیں بلکہ ان کے عہد میں سانسیں لینے والے سماج اور معاشرے کا آئینہ ہوتی ہے۔ جسے سرکاری واقعہ نویس یا مورخ کا قلم نہیں لکھ سکتا۔ ۱۹۷۰ء سے تاحال لکھے جانے والا ناول رافسانہ بھی جدید ہندوستان کی ایسی ہی ایک تاریخ ہے۔" ۸ے

اس لحاظ سے عہد جدید میں لکھے جانے والے ناولوں کی بھی ایک اہمیت اور افادیت ہے۔ یہاں ہم ۱۹۸۰ء کے بعد کے ناولوں کا جائزہ لیں گے جن کی اپنی اہمیت اور افادیت ہے۔

ممتاز فکشن نگار جوگندر پال نے اپنے ناول "نادید" میں ملک میں پھیلنے والی دہشت گردی کے لیے اندھوں کو تمثیل بنایا۔ عوام کی اور سربراہ یعنی بابا جو اپنی عوام کو نہ سمجھ کر اپنے فیصلے کرتا ہے۔

اسی طرح مشہور ناول نگار عبدالصمد کے ناولوں کی اہمیت و افادیت ان کے اسلوب سے نہیں ان کے موضوعات سے ہے۔ ان کے موضوعات میں حالیہ دور کے مسلمانوں کی زبوں حالی، ان کی تعلیم سے دوری اور اوپر سے سیاسی جبر۔ ان موضوعات نے مسلمانوں کے عکاسی کی ہے وہ اس دور کی تاریخ کا احاطہ ہے۔

اسی طرح حسین الحق نے بھی عہد حاضر کی تاریخ کو قلم بند کیا ہے۔ ملک کی انگریزوں سے آزادی میں جس میں تمام ہندوستانی شامل تھے۔ لیکن اپنی جانوں کو قربان کرنے والوں میں مسلمانوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی۔ بدقسمتی سے ملک تقسیم ہوا اور آگ اور خون کا دریا پار کر کے دو ملک

دنیا کے نقشے پر دکھائی دینے لگے۔لیکن وہ مسلمان جو تقسیم ملک کے خلاف تھے وہ یہیں پر رہ گئے۔زندگی میں بعد کے حالات نے اور اکثریت نے انہیں غدار ٹھہرانا شروع کر دیا۔جبکہ یہ ان کی حب الوطنی ہی تھی۔

حسین الحق نے اسی درد کو اپنے ناولوں میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔

مشرف عالم ذوقی نئی نسل کے ایک نہایت اہم افسانہ نگار ہے۔ان کا شمار آٹھویں دہائی میں اپنی شناخت بنانے والے فکشن نگاروں میں ہوتا ہے۔انھوں نے افسانوں کے ساتھ ہی ناولیں لکھنا بھی شروع کر دیا تھا۔انہوں نے جہاں مسلمانوں کے ساتھ ہونے والے سلوک،خصوصاً بابری مسجد کے بعد جس طرح تنگ نظری اور تعصب کے

۸ے : کتاب ''نیا افسانہ۔نئے نام''۔از۔نورالحسنین۔ص ۳۔عرشیہ پبلی کیشنز دہلی۔سنہ اشاعت ۲۰۱۲ء

شکار مسلمان ہوئے ہیں۔اس کا احوال ان کے ناول ''ذبح'' ''مسلمان'' اور ''لے سانس بھی آہستہ'' اور ناول ''آتش رفتہ کا سراغ'' میں دکھائی دیتا ہے۔اور جس بے باکی سے انہوں نے حق بیانی کا حق ادا کیا ہے۔اس کی جتنی بھی تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ناول ''لے سانس بھی آہستہ'' یہ اقتباس ملاحظہ فرمائیں؛

''یہ سوچ سوچ کر دل ڈرتا ہے کہ آنے والے وقتوں میں بار بار تمہیں تقسیم کے نام پر شرمندہ ہونا پڑے گا۔تمہیں بار بار اپنی صفائی دینی ہوگی اور اس طرح یہ ملک،یہ خطہ،یہ زمین تمہاری ہو کر بھی تمہاری نہیں ہوگی۔اور کتنی عجیب بات ہے اپنے ملک کو اپنا ملک کہنے کے لیے بھی تم صفائی دو گے۔اسی صفائی میں تمہاری عمر تک لگ جائے گی۔'' ۹ے

دیکھا جائے تو اس اقتباس میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ۱۹۴۷ء سے آج تک وہی معنویت رکھتا ہے۔اگر ذرا سا جائزہ لے تو ملک کی خاطر پاکستان سے مقابلہ کرنے والا اور ان ٹینکوں کو برباد کرنے والا اور جام شہادت پینے والا فوجی جس کا نام حوالدار عبدالحمید تھا۔اور آج تک ملک کے خلاف جاسوسی کرنے والا کوئی مسلمان نہیں نکلا۔اے پی جے عبدالکلام ہی نے ہندوستان کو میزائل بنا کر دیا۔ایسی سینکڑوں مثالیں موجود ہیں۔لیکن پھر بھی اکثریت کے افراد جب جس کا دل چاہتا ہے وہ نہایت آسانی سے مسلمانوں سے کہہ دیتا ہے کہ ''یہاں رہنا ہے یا پاکستان جانا ہے؟'' یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے،یہ تو مسلمانوں کے لیے گالی ہے۔

اردو ناول کی اہمیت صرف اس لیے ہی نہیں ہے کہ وہ اپنا موضوع تقسیم کا المیہ یا مسلمانوں کے حالات کو بناتے ہیں۔بلکہ اردو ناول اس لیے مقبول ہے کہ ان میں تمام ہندوستان اور تمام طبقوں کے حالات،ان کے ساتھ ہونے والی ناانصافی اور رہن سہن کی،معاشرت کی عکاسی بھی کی جاتی ہے۔اور اس سے اجاگر کر کے ایک سبق بھی دیا جاتا ہے کہ سماج کو ان خرابیوں سے نکالنا چاہیے۔

ثروت خان نے راجستھان کے راتھوڑ خاندان کے رسم و رواج کو لے کر ایک ناول لکھا ہے ''اندھیرا پگ'' جس نے اپنے اندر بہت سارے بنیادی سوالات اٹھائے ہیں۔ممتاز ناقد پروفیسر مولا بخش اس سلسلے میں تحریر کرتے ہیں؛

''اردو ناول میں پہلی بار راجستھانی تہذیب،عام زندگی،سماجی ناہمواریوں اور دقیانوسی اصولوں

۹ے : مشمولہ کتاب ''اردو ناول۔کل اور آج''۔از۔نورالحسنین۔ص ۲۲۶۔ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس دہلی۔۲۰۱۷ء

کی بھینٹ چڑھنے، دبے کچلے مرد اور عورت کی المناک زندگی کے خلاف احتجاج کافنکارانہ رویہ قاری کے ذہن میں پیدا کرتا ہے۔ثروت خان بحیثیت ناقد اپنے مقالوں میں ایک برافروختہ عورت کے روپ میں ابھرتی ہیں لیکن اپنے افسانوں میں بالخصوص اس زیر بحث ناول میں انہوں نے انسانیت نواز،تانیثیت کے اصولوں کوپیش نظر رکھا ہے۔ان کی نگاہ میں صرف عورت ہی سماج کا کھلونا نہیں بلکہ مردوں کو بھی یہ سماج ایک ناکام،نامرادجیو کے روپ میں پیش کرنے میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہیں کرتا۔" ۸۰

آج اردوناولٹ اورناول کی افادیت اوراہمیت اس لیے قائم ہے کہ یہ ایک متنوع مزاج صنف ہے۔اور ہر بار اپنے اندر ایک نئی بات، ایک معاشرتی برائی کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

ہندوستان دنیا کے نقشے پر قدیم ترین ملک ہے۔ یہاں کی قدیم آبادی دراوڑ کہلاتی تھی۔جو وسط ایشیا سے آنے والی قوم آریاؤں کے مقابلے میں ایک کمزور اور غیر ترقی یافتہ قوم تھی۔آریا زیادہ مہذب،ترقی یافتہ اور جدید ہتھیاروں سے واقف تھے۔اس لیے دراوڑی قوم کو شکست ہوگئی۔جب آریاؤں کے قدم یہاں جم گئے تو انہوں نے ذات پات کی بنیادوں پر معاشرے کو تقسیم کیا۔دراوڑی شدر کہلائے۔یعنی وہ پست اقوام قرار دیے گئے۔صدیوں تک وہ اس عذاب میں مبتلا رہے۔آخر ان میں ڈاکٹر بھیم رام امبیڈکر پیدا ہوئے اور انسانی بنیادوں پر انھوں نے ان کے حق کے لیے لڑائی لڑی اور ملک سے چھوت چھات کا اثر کم ہوا۔

لیکن پوری طرح ختم نہیں ہوا۔آج بھی برہمن ان کے گھر کھانا نہیں کھاتے۔ان کے برتنوں میں پانی نہیں پیتے اور نہ ہی اپنے برتنوں میں انہیں کھلاتے ہیں۔ بظاہر حکومت نے اس تفریق کے خلاف قانون بھی بنادیا لیکن دلوں میں بسی ہوئی بات ابھی باقی ہے۔اب بھی ان پر وہی ظلم ہوتا ہے۔ان کی عورتیں ظلم کا شکار ہوتی ہیں۔انہیں برہنہ سڑکوں پر گھمایا جاتا ہے۔ان کا جنسی استحصال ہوتا ہے۔

اردو زبان میں بھی اب ان پر ناولیں اور افسانے لکھے جانے لگے ہیں۔انھی ناولوں میں سے ایک کا ذکر ہم یہاں کرتے ہیں۔جو ۲۰۱۶ء میں شائع ہوئی جس کا عنوان" تخم خون"ہے۔ اور اسے اردو ہندی کے مشہور ادیب

۸۰ : مضمون "اندھیرا پگ"۔"عورت بطور ہیرو"۔از۔پروفیسر مولا بخش۔سہ ماہی رسالہ عالمی فلک۔شمارہ ۵۔جلد ۲۔ضلع دھنباد۔جھارکھنڈ۔

حوالہ۔

۱) اُردوناول کی تاریخ اور تنقید۔ علی عباس حسینی۔

۲) اُردوناول کا سفر۔ ناز قادری۔

۳) ناول کا فن۔ ابوالکلام قاسمی۔

۳) ناول کا فن۔ پروفیسر عتیق اللہ۔

Azhar Ahmed Gulam Yazdani

Asst.Professor Department of Urdu

Yashwant College Nanded